تفسیر بالماثور اور اس کے اسالیب و مناہج

* عبدالحمید خان عباسی

تفسیر بالماثور کا تعارف

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اسلوب (رجحان) ''تفسیر بالماثور'' کے نام سے مشہور ہے، اسے ہی عربی میں ''تفسیر بالروایة یا تفسیر بالنقل''(۱) اور اردو میں ''ماثوری یا اثری، یا روایتی یا نقلی اسلوب کہتے ہیں۔

چنانچہ استاذ امین الخولی لکھتے ہیں:

''......پہلی چیز جو تفسیر کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ مبنی بر روایت تھی، جسے تفسیر ماثور یا تفسیر اثری کہتے ہیں، اس لیے علماء حدیث و روایت ہی وہ پہلے حضرات ہیں جو تفسیر کے میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں......''(۲)

یعنی اس اسلوب کے بانی و مؤسس محدثین اور راوی حضرات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسی اسلوب کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت (تفسیر میں) آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار روایت کرتی ہے۔ خواہ وہ مرفوع حدیث ہو یا موقوف، کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت۔ یہ محدثین کا مسلک ہے۔''(۳)

ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ کے نزدیک قرآن مجید کی اثری تفسیر چار امور پر مشتمل ہے: قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثارِ صحابہ، اور اقوال تابعین۔(۴)

اس سے قبل کہ تفسیر بالماثور اور اس کے ذیلی اسالیب کو بیان کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اس

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اسلوب کے تاریخی ارتقاء کو بیان کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تفسیر بالماثور کی اقسام کیسے وجود میں آئیں اور ان پر اس اسلوب کا اطلاق کیسے ہوا؟:

تفسیر بالماثور کا ارتقاء

تفسیر بالماثور کے ارتقاء کو درج ذیل مراحل کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے:

پہلا مرحلہ: عہد رسول اللہ ﷺ

نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں قرآنی آیات کے فہم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب مشکلات پیش آتیں تو آپ ﷺ ان کی توضیح فرما دیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی توضیحات و تشریحات کو ایک دوسرے تک منتقل کر دیتے تھے۔

دوسرا مرحلہ: عہد صحابہ رضی اللہ عنہم

جب نبی اکرم ﷺ اس دنیائے فانی سے ۱۱ھ ہجری میں رحلت فرما گئے تو خالص صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور شروع ہو گیا۔ اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کے معانی و مطالب میں دشواریوں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح تفسیر سے متعلقہ اقوال رسول ﷺ ایک صحابی سے دوسرے تک منتقل ہوتے جاتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف زبانی طور پر تفسیری روایات ایک دوسرے تک منتقل ہوتی رہتی تھیں بلکہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عہد نبوت و عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں احادیث کے متعدد مجموعے کتابی صورت میں تیار کیے جا چکے تھے (۵) ظاہر ہے کہ ان مجموعوں میں قرآنی آیات کی تفسیر کے بارے میں بھی احادیث ضبط تحریر میں آ چکی ہوں گی۔ یہاں اس بات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید کے پہلے مفسر حضور اکرم ﷺ اور پہلی تفسیر آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہے۔ محققین حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ہر حدیث کی بنیاد قرآن مجید میں موجود ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ ہر قرآنی لفظ ایک باب ہے اور احادیث رسول اللہ ﷺ اس کے مختلف مباحث ہیں جیسے لفظ زکوٰۃ، صلوٰۃ، صدقہ، حج، عمرہ، ہجرت، قتال فی سبیل اللہ اور شہادت (گواہی) وغیرہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے صاحب علم حضرات بھی موجود تھے جو احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں تفسیر قرآن کرتے، جسے بعد میں ''تفسیر القرآن بالاحادیث'' کہہ کر تفسیر بالماثور کی دوسری قسم قرار دیا گیا۔ اور یہی حضرات اپنی آراء سے بھی تفسیر کرتے۔ ان ہی آراء کو بعد میں ''تفسیر القرآن باٗقوال الصحابہ رضی اللہ عنہم'' کہہ کر تفسیر بالماثور کی تیسری قسم متعین کرلیا گیا۔

تیسرا مرحلہ: عہد تابعین رحمہم اللہ

تابعین حضراتؒ کا جہاں تک تعلق ہے:

> ''......تو ان میں ایسے علماء کرام پائے گے جنہوں نے تفسیر قرآن کا خاص اہتمام کیا اور احادیث رسول اللہ ﷺ وآثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفسیر کے متعلق جس قدر مواد ملا اسے اکھٹا کرلیا اور اس مواد پر اپنی رائے واجتہاد کا اضافہ کردیا......''(٦)

یہی اضافہ بعد میں تفسیر بالماثور کی ایک مستقل قسم کا سبب بنا جسے ''تفسیر القرآن باقوال التابعین'' کا نام دیا گیا۔ تابعین حضرات نے:

> ''اسی حد تک اپنی رائے واجتہاد کا اضافہ کیا جس قدر قرآن مجید میں ابہام پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا سبب عہد رسول اللہ ﷺ وعہد صحابہ سے دوری تھا۔''(٧)

چوتھا مرحلہ: تبع تابعین رحمہم اللہ

اور جہاں تک تبع تابعین کا تعلق ہے تو

> ''انہوں نے تابعین کے (تفسیری) فرمودات کو روایت (بیان) کیا اور قرآن کے مطالب و مفاہیم میں جس قدر ابہام زیادہ ہوگیا تھا اسی کے مطابق انہوں نے اسے زائل کرنے کی کوشش کی۔ پس اسی اسلوب پر یہ کام چلتا رہا اور ہر آنے والا طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ سے تفسیری اقوال روایت کرتا رہا......''(٨)

تبع تابعینؒ نے تابعینؒ کے اقوال پر جو اضافہ کیا یہی اضافہ اصل میں تاریخ تفسیر کے مصادر میں ''تفسیر القرآن بأقوال تبع التابعین'' کے نام سے موسوم ہے اور تفسیر بالروایت یا بالماثور کی ایک قسم یا ایک اسلوب کے نام سے معروف ہے۔

یہ ہے عہد نبوت سے عہد تبع تابعین تک تفسیر بالماثور کا مختصر سا ارتقائی جائزہ۔ ان چار ادوار (مراحل، طبقات) میں جو بھی تفسیری کام ہوا ہے، اسی کام کو بعد میں تفسیر بالماثور یا تفسیر بالمنقول یا بالروایت کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ جو کام عہد نبوت میں احادیث کی صورت میں سامنے آیا اسے ''تفسیر القرآن بالأحادیث النبویہ'' جو آثار صحابہ کی صورت میں ہوا اسے ''تفسیر القرآن باقوال الصحابہ رضی اللہ عنہم'' جو تابعین و تبع تابعین کے کام کی صورت میں وجود میں آیا اسے ''تفسیر القرآن باقوال التابعین'' اور ''باقوال تبع تابعین'' کہا گیا۔ اور تفسیر میں اہل کتاب سے جو مواد نقل کیا گیا اسے ''تفسیر القرآن بالروایات الاسرائیلیۃ'' کا نام دے دیا گیا۔ تبع تابعین کے عہد والوں نے اپنے سے پہلے والے تفسیری مواد کو حاصل کر کے بڑی بڑی تفاسیر میں یکجا کر دیا جیسے تفسیر طبری وغیرہ۔

تفسیر بالماثور کے ذیلی اسالیب

تفسیر بالماثور کے مفہوم اور اس کے ارتقائی جائزہ سے واضح ہو گیا ہے کہ اس میں تنوع پایا جاتا ہے اور اس کا دائرہ کار خاصا وسیع ہے۔ گویا اس اثری اسلوب تفسیر کے کچھ ذیلی اسالیب (اقسام، صورتیں) بھی ہیں جو کہ یہ ہیں:

پہلا اسلوب: تفسیر القرآن بالقرآن

یہ تفسیر بالماثور کا پہلا اسلوب (رجحان) ہے۔ یعنی قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات کی مدد سے کرنا۔ امام ابن تیمیہؒ نے تفسیری اسالیب میں سے اسے بہترین اور صحیح ترین اسلوب قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''......تفسیر کا صحیح ترین اسلوب یہ ہے کہ قرآن مجید کی (آیات کی) تفسیر قرآن مجید (کی آیات ہی) سے کی جائے کیونکہ اس میں جو بات ایک جگہ مجمل ہے اسی بات کی دوسرے مقام پر تفسیر کر دی گئی ہے اور جو بات ایک جگہ مختصر ہے وہی بات اس میں دوسری جگہ پر تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے۔''(۹)

اس اجمال کی تفصیل جاننے کے لیے مناسب ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے طریقوں کا تعین کیا جائے، پھر ان میں سے ہر ایک طریقہ کی نمائندہ مثالیں پیش کر دی جائیں تا کہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے:

تفسیر القرآن بالقرآن کے طریقے

پہلا طریقہ: مختصر کو مفصل کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جو مضمون قرآن مجید میں ایک جگہ مختصر ہے اس کی تفسیر ان آیات سے کی جائے جن میں وہی (مختصر) مضمون تفصیل سے بیان ہوا ہے مثلاً قصہ آدمؑ و ابلیس اور قصہ موسیٰؑ و فرعون، ایک جگہ یہ قصے مختصر ہیں اور دوسری جگہ مفصل۔ (۱۰)

دوسرا طریقہ: مجمل کو مبین سے بیان کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اسلوب یہ ہے کہ مجمل کو مبین سے بیان کیا جائے کیونکہ ایک چیز قرآن میں اگر مجمل ہے تو دوسری جگہ اس کی توضیح کر دی گئی ہے، مثلاً:

① ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِنۡ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ﴾ (۱۱)

''اور اگر یہ رسول سچا ہے تو جس عذاب کا وعدہ وہ تم سے کرتا ہے اس میں سے کچھ تمہیں ضرور پہنچے گا۔''

اس آیت کی تفسیر سورۃ المؤمن میں مذکور آیت نمبر ۷۷ سے کر دی گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ اوپر والی آیت میں جس بات کا ذکر ہے اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُہُمۡ﴾ (۱۲)

''جس بات کا وعدہ ہم ان سے کرتے ہیں اگر اس میں سے کچھ آپ کو دکھا دیں۔''

② ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْمًا﴾ (۱۳)

''مگر چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں خواہشاتِ نفس کی کہ دور ہٹ جاؤ تم (راہ راست سے) بہت زیادہ دور''۔

یہاں ''الذین'' سے کون لوگ مراد ہیں اس کی توضیح درج ذیل آیت میں کر دی گئی ہے کہ ''الذین'' سے مراد اہل کتاب ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْباً مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوْا السَّبِيْلَ﴾ (۱۴)

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا وہ خود بھی گمراہی اختیار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔''

اس طریقہ کی مزید مثالیں یہ ہیں:

(ا) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۳۷ کی تفسیر ہوئی ہے، سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۳ سے۔

(ب) سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۰۳ کی تفسیر ہوئی ہے، سورۃ القیامۃ کی آیت نمبر ۲۳ سے۔

(ج) اور سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱ کی تفسیر ہوئی ہے اسی سورۃ کی آیت نمبر ۳ سے۔

تیسرا طریقہ: مطلق کو مقید پر محمول کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جائے۔ وہ اس طرح کہ جب دو حکم الگ الگ ہوں اور ان کا سبب ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے مثلاً: ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (۱۵)

''اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو''

اس آیت میں ہاتھ دھونے کی حد کہنی تک مقرر ہے۔اسی آیت میں تیمّم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ﴾ (۱۶)

''اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اس سے مل لو۔''

اس آیت میں ہاتھ کی تحدید وتعیین نہیں کی گئی۔اس لیے اس آیت میں بھی ہاتھ کہنیوں تک مراد ہوں گے۔(۱۷)

چوتھا طریقہ: عام کو خاص پر محمول کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کا چوتھا اسلوب یہ ہے کہ عام (حکم) کو خاص (حکم) پر محمول کیا جائے مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ (۱۸)

''اس سے قبل کہ وہ دن آئے جس روز نہ سودا بازی ہوگی نہ دوستی اور نہ سفارش۔''

اس فرمان الٰہی میں دوستی اور سفارش کی نفی بطریق عموم فرمائی۔

پھر متقیوں کو دوستی کی نفی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلۡاَخِلَّاۤءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ (۱۹)

''جو آپس میں دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقیوں کے۔''

اسی طرح اذن ربانی پر مبنی سفارش کو مستثنیٰ قرار دیا۔ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَكَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِىۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ يَّاۡذَنَ اللّٰهُ﴾ (۲۰)

''آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے بعد۔''

پانچواں طریقہ: مختلف ومتعارض امور کو جمع کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جو امور بظاہر مختلف ومتعارض نظر آتے ہوں ان میں موافقت پیدا کر کے انہیں جمع کر دیا جائے مثلاً: حضرت آدمؑ کی تخلیق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ (۲۱)

''بے شک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے ہاں مانند ہے آدم کی مثال کے۔ پیدا کیا اسے اللہ نے مٹی سے۔''

پھر فرمایا:

﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْاَمَرْتُكَط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُج خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (۲۲)

''پوچھا (اللہ نے) کس چیز نے روکا تجھ کو سجدہ کرنے سے جب کہ حکم دیا تھا میں نے تجھ کو۔ بولا! میں بہتر ہوں اس سے۔ پیدا کیا ہے تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اس (آدمؑ) کو مٹی سے۔''

پھر ان کے متعلق فرمایا:

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌم بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (۲۳)

''اور (یاد کرو وہ وقت) جب کہا تھا تیرے رب نے فرشتوں سے بے شک میں بنانے والا ہوں آدمی، کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے گارے سے۔''

پھر فرمایا:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (۲۴)

''اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی''۔

ان آیات مبارکہ میں بظاہر تو اختلاف وتعارض ہے لیکن اسے دور کرنا اور آیات میں موافقت پیدا کرنا ممکن ہے، وہ اس طرح کہ کہا جائے کہ: ان آیات میں تخلیق آدم کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں جن سے وہ آغاز تخلیق سے لے کر ''**نفخ روح**'' (یعنی روح پھونکنے) تک گزرے ہیں۔ گویا ''**تراب**'' تخلیق کا پہلا ''**طین**'' دوسرا، ''**صلصال من حما مسنون**'' تیسرا، اور ''**صلصال كالفخار**'' چوتھا مرحلہ ہے۔ آخری مرحلہ ''**نفخ روح**'' کا ہے۔ (۲۵)

چھٹا طریقہ: مختلف قرأتوں سے تفسیر کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کے طرق میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مختلف قرأتوں کی مدد سے قرآنی آیات کی تفسیر کا تعین کیا جائے۔ کیونکہ قرأتیں قرآن مجید کی تفسیر کے مصادر میں سے ایک اہم مصدر ہیں۔ اس کی تائید مجاہدؒ کے قول سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

لو كنت قرأت قراءة ابن مسعود قبل أن أسأل ابن عباس ما احتجت أن أسأله عن كثير مماسألته عنه (۲۶)

''اگر قبل ازیں میں عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت سے آگاہ ہوتا تو جو تفسیری سوالات میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیے تھے۔ اس کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

یہ ہیں تفسیر بالماثور کے پہلے اسلوب ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کے چند معروف طریقے اور ان کا مختصر سا تعارف (۲۷) جس سے عیاں ہوتا ہے کہ واقعی قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔ اسی بنیاد پر علماء کہتے ہیں:

﴿القرآن يفسر بعضه بعضاً﴾

تفسیر قرآن کے میدان میں جو بھی صاحب اہلیت خلوص نیت سے غور وفکر کرے گا تو وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے بعض حصے بعض حصوں کی توضیح کرتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

> ''قرآن مجید میں غور وفکر کرنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایجاز واطناب، اجمال وتبیین، مطلق ومقید اور عموم وخصوص پر مشتمل ہے۔ اس میں جو بات ایک مقام پر مختصر ہے۔ دوسرے مقام پر وہی بات تفصیل سے بیان ہوئی ہے، اور جو ایک مقام پر مجمل ہے دوسرے مقام پر اسے مفصل بیان کیا گیا ہے، جو بات ایک جگہ ایک پہلو سے مطلق ہے دوسری جگہ اسی بات کو دوسرے پہلو سے مقید کر دیا گیا ہے، اور جو امر ایک آیت میں عام ہے دوسری آیت میں وہی خاص ہے'' (۲۸)

مفسر کے لیے ہدایت

جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر کا ارادہ کرے تو وہ پہلے قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید ہی میں تلاش کرے اور ایک موضوع میں بار بار وارد ہونے والی آیات کو یکجا کر کے ان کا تقابلی جائزہ لے۔ اس اسلوب سے مفصل آیات سے مجمل آیات کو سمجھنے، مبین آیات سے مبہم آیات کے مفہوم کو متعین کرنے میں مدد ملے گی، اور مطلق کو مقید پر، عام کو خاص پر محمول کیا جا سکے گا۔ اس طرح قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہوتی چلی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا مطلب اللہ تعالیٰ ہی کے کلام سے سمجھ میں آتا جائے گا۔ ایسی تفسیر سے تجاوز کرنا کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کیونکہ صاحب کلام اپنے کلام سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ (۲۹)

حکمِ اسلوب

امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تفسیر کے اسالیب میں سے عمدہ اور صحیح ترین اسلوب ''تفسیر القرآن بالقرآن'' ہے۔ لہذا یہ متفقہ طور پر مقبول ہے اور کسی نے بھی اس کی قبولیت میں اختلاف نہیں کیا، چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ فرماتے ہیں:

> ''جہاں تک تفسیر القرآن بالقرآن کا تعلق ہے تو اس کے مقبول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں نہ تو کسی طرح سے ضعف پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی شک کرنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔'' (۳۰)

دوسرا اسلوب: تفسیر القرآن بالأحادیث النبویۃ

اس کا مطلب ہے احادیث رسول ﷺ سے قرآنی آیات کی تفسیر وتوضیح کرنا۔ تفسیر بالماثور کے اسالیب میں سے یہ دوسرا اسلوب ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اگر اس میں تم کامیاب نہ ہوسکو (یعنی قرآن کی تفسیر تمہیں قرآن میں نہ مل سکے) تو سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو جو قرآن کی شرح وتفسیر کرتی ہے۔''(۳۱)

گویا قرآن مجید کی جو تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اس کے بعد تفسیر رسول اللہ ﷺ کا درجہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

① ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ﴾(۳۲)

''اور ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے لیے آپ ﷺ ان مضامین کی وضاحت کریں جو ان کی طرف اتارے گے ہیں۔''

② ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾(۳۳)

''اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب اسی لیے نازل کی ہے کہ آپ ﷺ کھول کر بتادیں ان کو وہ باتیں جن میں یہ باہم مختلف ہیں۔''

یہ دونوں آیتیں واضح طور دلالت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کرنا نبی اکرم ﷺ کا اہم کام تھا۔ آپ ﷺ جو کچھ بھی تفسیر میں فرماتے وہ من جانب اللہ ہوتا تھا اس پر وحی غیر متلو (احادیث وسنن) کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ(۳۴)

''معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ۔''

یہاں ''مثلہ معہ'' سے مراد ''حدیث وسنت'' ہے اور یہ بھی آپ ﷺ پر قرآن مجید کی طرح بذریعہ وحی نازل ہوتی تھی۔ ان دونوں وحیوں کے نزول میں فرق صرف اتنا تھا کہ ''قرآن کی تنزیل الفاظ کے ساتھ تھی اور سنت میں مطالب ومفاہیم اور معانی کی آپ ﷺ پر وحی ہوتی، جسے آپ ﷺ اپنے الفاظ یا اعمال سے ظاہر فرماتے'' (۳۵)

احادیث اور سنن رسول ﷺ میں جن کاموں کے کرنے اور جن کاموں کے نہ کرنے کا جو حکم ہے اس کی اصل کسی نہ کسی صورت میں قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں:

> كل ما حكم به رسول صلى الله عليه وسلم فهو مما فهمه من القرآن (٣٦)

''رسول اکرم ﷺ نے جو حکم بھی دیا ہے، وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔''

ان دلائل اور جو ان کے علاوہ مصادر میں بیان ہوئے ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث رسول ﷺ قرآن مجید کی بہترین تفسیر ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فہم قرآن کے سلسلہ میں اگر کوئی مشکل پیش آتی تو وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی حدیث وسنت کی طرف رجوع کرتے۔ انہیں اپنی مشکلات کا حل پوری تفسیر توضیح کے ساتھ مل جاتا۔

تفسیر رسول اللہ ﷺ کے طریقے

حضور اکرم ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ سے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر مختلف انداز وطرق سے فرمائی ہے۔ ذیل میں چند ایک طرق مثالاً پیش کیے جاتے ہیں:

پہلا طریقہ: قرآن میں مجمل کو بیان کرنا

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کا حکم تو ہے مگر تفصیلات نہیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے پانچوں نمازوں کے اوقات، رکعات کی تعداد اور کیفیت بیان فرمائی ہے۔ قرآن میں زکوۃ کا صرف حکم ہے مگر تفصیلات نہیں ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے تفصیلات کو خود بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح حج کا معاملہ ہے، قرآن میں اسے ایک فریضہ کہا گیا ہے مگر اس کے احکام آپ ﷺ نے سکھائے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ (۳۷)

''مجھ سے احکام حج سیکھ لو۔''

صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی (۳۸)

''نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔''

امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ نے حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کہا:

''تم بے وقوف آدمی ہو کیا قرآن میں یہ لکھا ہے کہ ظہر کے چار فرض ہوتے ہیں اور ان میں قرأت سراً پڑھی جاتی ہے؟ پھر اس نے باقی نمازوں نیز زکاۃ اور دوسرے احکام و مسائل کے متعلق پوچھا کہ کیا تم ان کو قرآن میں تفصیلاً پاتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی کتاب نے ان تمام امور کو مبہم چھوڑ دیا ہے، اور سنت ان کی تفسیر و تشریح کرتی ہے'' (۳۹)

دوسرا طریقہ: مشکل کی توضیح کرنا

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو مشکل مقامات ہیں حضور ﷺ ان کی توضیح کرتے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ (۴۰)

''کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے) اس آیت میں ''اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ'' اور ''اَلْخَیْطُ الْاَسْوَدِ'' کی تشریح یوں فرمائی کہ سفید دھاگے سے دن اور سیاہ دھاگے سے رات مراد ہے۔'' (۴۱)

تیسرا طریقہ: مطلق کو مقید کرنا

یعنی قرآن مجید میں جو مطلق حکم ہے اسے حضور اکرم ﷺ اپنے قول سے مقید کرتے ہیں، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا﴾ (۴۲)

''اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت۔ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

یہاں حضور ﷺ نے مطلق ہاتھ کو ''دائیں ہاتھ'' کے ساتھ مقید فرما دیا۔

چوتھا طریقہ: عام کی تخصیص کرنا

یعنی جو بات قرآن میں عام مفہوم میں وارد ہوئی ہے۔ آپ ﷺ اسے اپنے قول سے خاص کرتے ہیں، مثلاً: ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْآ اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (۴۳)

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہ کیا۔''

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''ظلم'' عام وارد ہوا ہے۔ مگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو شرک کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموم کا مفہوم سمجھتے ہوئے پریشان ہوئے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو۔ آپ نے فرمایا اس ظلم سے مراد وہ ظلم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ ظلم سے ''شرک'' مراد ہے۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (۴۴)

''بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔''

پانچواں طریقہ: الفاظ قرآن کی تفسیر

تفسیر قرآن کے لیے حضور اکرم ﷺ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کی تشریح کرتے ہیں، مثلاً:

(ا) آپ نے فرمایا کہ ﴿مغضوب علیھم﴾ سے یہودی اور ﴿الضآلین﴾ سے نصاریٰ (عیسائی) مراد ہیں۔(۴۵)

(ب) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿الصلوۃ الوسطی﴾ سے مراد ﴿صلوۃ العصر﴾ ہے(۴۶)

(ج) ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ (۴۷)۔(اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقوی کی بات پر جمائے رکھا) حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ﴿کلمة التقوی﴾ سے ﴿کلمة طیبه﴾ مراد ہے(۴۸)

(د) قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ (۴۹) (ان کے لیے وہاں پاک بیویاں ہوں گی)۔

یہاں لفظ ﴿مطھرة﴾ کی تفسیر آپ ﷺ نے یوں فرمائی کہ جنت میں جو بیویاں ملیں گی وہ حیض، تھوک اور ناک کی غلاظت سے پاک ہوں گی (۵۰)

چھٹا طریقہ: ناسخ ومنسوخ آیات کا تعین

نبی اکرم ﷺ کے تفسیری طرق میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ناسخ ومنسوخ آیات کا تعین کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہے اور فلاں حکم فلاں سے منسوخ ہے۔ مثلاً:

① آپ ﷺ کے فرمان "لا وصیة لوارث" (یعنی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے) سے واضح ہوتا ہے کہ والدین اور اقرباء کے لیے وصیت کی آیت میں جو حکم ہے وہ منسوخ ہے اس آیت کی تلاوت باقی ہے۔ کیونکہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرما دیئے۔ لہذا ان کے حق میں وصیت کرنے کا وجوب اب منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حجۃ الوداع

کے سال اپنے خطبہ میں فرمایا:

ان اللّٰہ أعطی کل ذی حق حقه فلا وصية لوارث

''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، سو وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔''

اس حدیث کی وجہ سے اب ورثاء کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔ اگر کسی نے وارث کے حق میں وصیت کی تو وہ نافذ نہیں ہوگی۔

② اسلام کے ابتدائی دور کا حکم ہے:

﴿وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ ج فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا﴾(۵۱)

''مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں، ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو۔ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور سبیل (پیدا) کرے۔''

پس جو سبیل اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس نے اسلام کے اس ابتدائی دور کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور وہ سبیل ہے نبی اکرم ﷺ کا یہ حکم (جس نے اوپر والے قرآنی آیت میں بیان ہونے والے حکم کو منسوخ ٹھہرایا):

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: خُذُوْا عَنِّی، خُذُوْا عَنِّی قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا اَلْبِکْرُ بِالْبِکْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ نَفْیُ سَنَةٍ وَالثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ(۵۲)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے سیکھ لو! مجھ سے سیکھ لو! اللہ تعالیٰ نے عورتوں (کی بدکاری) کا حکم بیان کر دیا ہے۔ جب کنواری عورت اور کنوارا مرد زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرو اور جب شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارو اور سنگسار کرو۔''

ساتواں طریقہ: قرآنی حکم کی تائید

تفسیر رسول ﷺ کا ایک انداز یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو حکم مذکور ہوتا ہے آپ ﷺ اپنی حدیث سے اس کی تائید فرماتے ہیں جس سے اس حکم کو تقویت ملتی ہے، مثلاً:

① قرآن مجید میں ہے:

﴿لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (۵۳)

''اپنے مال ناروا طریقہ سے مت کھاؤ۔''

حضور اکرم ﷺ نے اپنی حدیث مبارک میں اس طرح اس آیت کی تائید فرمائی:

لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه (۵۴)

''کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔''

② ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (۵۵)

''اور عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو''۔

نبی ﷺ نے حدیث میں اس ارشاد الٰہی کی یوں تائید فرمائی:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ فَاِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهٗ

كَسَرْتَهُ وَ اِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ (۵۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر والا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی پس عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہنا''

آٹھواں طریقہ: قرآنی احکام سے زائد احکام کا بیان

تفسیر القرآن بالحدیث کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ حدیث رسول میں ایسے احکام بیان ہوئے ہیں جو قرآن مجید میں بیان کردہ احکام سے زائد ہیں اور وہ اس میں مذکور نہیں ہیں۔ مثلاً:

① پھوپھی و بھتیجی اور خالہ و بھانجی سے بیک وقت نکاح کرنے کو اس حدیث کے ذریعہ حرام قرار دے دیا گیا:

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ''لا تجمع بين المرأة و عمتها ولا بين المرأة و خالتها (۵۷)

''پھوپھی و بھتیجی اور خالہ و بھانجی کو (نکاح میں) اکٹھا نہ کیا جائے۔''

حالانکہ قرآن مجید میں صرف دو سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح کی حرمت کا حکم مذکور ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ........................ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (۵۸)

''تم پر تمہاری مائیں (نکاح کرنے کے لیے) حرام کر دی گئی ہیں........................ اور دو بہنوں سے اکٹھا نکاح کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا)۔''

② صدقہ فطر کے وجوب کا حکم قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے بلکہ صرف سنت میں مذکور ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ مِنْ رَّمَضَانَ عَلَی النَّاسِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّاَوْ عَبْدٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ(۵۹)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے سبب سے مسلمانوں پر ایک صاع (ساڑھے چار سیر) کھجور یا ایک صاع جَو صدقہ فطر مقرر کیا (خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت)۔ کتب فقہ میں ایسے احکام بکثرت مذکور ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں تو نہیں ہے لیکن حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنی احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا ہے، جو وحی (غیر متلو) ہیں۔ آپ ﷺ کی احادیث قرآن مجید کی تفسیر ہیں۔

مختصر یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے قرآنی آیات کی تفسیر ان اسالیب سے فرمائی ہے:

(ا) مجمل یا مشکل آیات کی وضاحت، عام آیات کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کی۔

(ب) الفاظِ آیات کی تشریح۔

(ج) قرآنی احکام سے زائد احکام بیان فرمائے جیسے صدقہ فطر کا حکم، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی اور خالہ سے بیک وقت نکاح کی حرمت اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم وغیرہ۔

(د) ناسخ و منسوخ آیات کی نشاندہی فرمائی، جیسے وارث کے حق میں آیت وصیت کو حکماً منسوخ بتایا۔

(ر) قرآن مجید میں مذکور حکم کی تائید و تاکید فرمائی۔

تفسیر القرآن بالأحادیث النبویۃ کے اسلوب کا حکم

یہ اسلوب تفسیر بالماثور کے پہلے اسلوب (یعنی تفسیر القرآن بالقرآن) کی طرح قابل قبول اور قابل اعتبار ہے بشرطیکہ احادیث میں ضعف نہ پایا جاتا ہو، چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

’’جہاں تک قرآن کی تفسیر قرآن سے یا صحیح سنت سے کرنے کا تعلق ہے تو اسے قبول کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تفسیر شک وضعف سے بالا ہوتی ہے۔ مگر جن احادیث کی سند یا متن میں ضعف پایا جاتا ہو تو وہ ہرگز قابل قبول اور قابل اعتماد نہیں ہیں۔‘‘ (۶۰)

تیسرا اسلوب: تفسیر القرآن بأ قوال الصحابہ رضی اللہ عنہم

اس کا مطلب ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وفرمودات (آثار صحابہ) سے قرآنی آیات کی تفسیر کرنا۔ تفسیر بالأ ثار کے اسالیب میں سے یہ تیسرا اسلوب ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

’’اور جب (کسی آیت کی) تفسیر نہ قرآن میں ملے اور نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ میں ملے تو پھر ہمیں اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ وہی قرآن مجید کی زندہ تفسیر (یعنی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ) کے عینی شاہد ہیں اور ان احوال واسباب کے بخوبی واقف تھے جن میں قرآن مجید کا نزول ہوا ہے، نیز فہم تام کے مالک اور علم صحیح کے حامل تھے خصوصاً ان کے علماء واکابر مثلاً: آئمہ اربعہ یعنی خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ آئمہ جیسے عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ۔‘‘ (۶۱)

اس اسلوب کا حکم

ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام حاکم، علامہ ابن الصلاح اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ کی رائے ذکر کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں کہ:

① صحابی کی تفسیر جب اسباب نزول یا ایسے امور سے متعلق ہو جن میں انسانی عقل کو دخل نہیں ہوسکتا، مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی۔ جس تفسیر میں انسانی عقل کو دخل ہو اور اس کو صحابی نے حضور اکرم ﷺ کی جانب منسوب بھی نہ کیا ہو تو (ایسی تفسیر) موقوف حدیث کے حکم میں ہوگی (یعنی اسے موقوف حدیث قرار دیا جائے گا)۔

② صحابی کی مرفوع روایت کو کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے مفسر لازماً اس سے استناد کرے اور کسی صورت میں بھی اس سے انحراف نہ کرے۔

③ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں علماء کے مختلف نظریات ہیں:

(ا) مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کے موقوف اقوال سے اخذ و احتجاج واجب نہیں کیونکہ جب صحابی اسے مرفوعاً روایت نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اس کے اجتہاد پر مبنی ہے اور مجتہد سے خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے تو اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر مجتہدین برابر ہیں۔

(ب) مفسرین کے دوسرے گروہ کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال واجب الاحتجاج ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سن کر وہ تفسیر بیان کی ہو، تو ان کی رائے ہم سے بدر جہاں اس لیے اولی ہے کہ وہ اہلِ زبان ہونے کے اعتبار سے قرآن کریم کا بہتر علم و فہم رکھتے تھے، وہ صحبت نبوی سے مستفید اور اخلاق نبوی سے مزین تھے (٦٢)

ترجیح

علماء نے اس آخری رائے کو درست قرار دیا ہے یعنی تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو اخذ کرنا چاہیے کیونکہ ان کے تفسیری اقوال بمنزلہ ان روایتوں کے ہیں جو حضور اکرم ﷺ تک مرفوع ہوں، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال روایت کی قسم سے ہیں نہ کہ آراء کے باب سے (٦٣) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مفسر تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہر طرح کے اقوال بیان کرتا چلا جائے بلکہ اسے چاہیے کہ صرف صحیح اقوال پر ہی اعتماد کرے، چنانچہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ لکھتے ہیں:

> ''صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو صحیح تفسیری روایات منقول ہوں ان سے احتجاج کیا جائے۔ البتہ تمام اقوال جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب ہیں ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ بکثرت جھوٹے اقوال کو بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے.....'' (٦٤)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے مشہور مفسرین

امام جلال الدین سیوطیؒ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دس مشہور مفسر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام بیان کیے ہیں جو کہ یہ ہیں:

''ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابن عباس، ابن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، عبد بن زبیر رضی اللہ عنہم۔'' (۶۵)

یہ دس مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفسیری روایات کی قلت و کثرت کے اعتبار سے برابر نہیں تھے۔ مثلاً:

① حضرت ابوبکر صدیق و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے بہت کم تفسیری اقوال منقول ہیں کیونکہ:

(ا) یہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے۔

(ب) ان کی ملکی وسیاسی مصروفیات بہت زیادہ تھیں۔

(ج) ان کے دور میں ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے جو قرآن ہی کے ہو کر رہ گے تھے۔ وہ اس کے اسرار اور احکام و معانی سے بخوبی واقف تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خالص عرب ہونے کی بناء پر عربی زبان سے پوری طرح آشنا تھے۔ اس لیے ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی جانب رجوع کرنے کی حاجت نہ تھی۔

② خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے سب سے زیادہ تفسیری اقوال حضرت علیؓ سے مروی ہیں کیونکہ:

(ا) یہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خاتمہ تک امور سلطنت سے الگ تھلگ رہے۔

(ب) یہ اس زمانہ تک زندہ رہے جب اسلام مختلف اطراف میں پھیل گیا۔ عجمی لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہوئے اور اس طرح تفسیر قرآن کی ضرورت پہلے سے بہت بڑھ گئی۔

③ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں (٦٦) کیونکہ اس دور میں لوگ تفسیر قرآن کے بہت زیادہ محتاج تھے یہ تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت علیؓ درج ذیل صفات سے مزین تھے:

(ا) عربی زبان میں مہارت اور اس کے اسالیب بیان سے گہری مناسبت۔

(ب) قوت اجتہاد واستنباط۔

(ج) نبی اکرم ﷺ سے رفاقت کی وجہ سے اسباب نزول سے مکمل طور پر واقفیت۔

(د) زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اگرچہ تفسیر میں مشہور تھے مگر ان سے بہت کم تفسیری اقوال منقول ہیں اور وہ شہرت میں ان چار کثیر الروایت صحابہ رضی اللہ عنہم (جو نمبر ۳ میں بیان ہوئے ہیں) تک نہیں پہنچتے۔(٦٧)

چوتھا اسلوب: تفسیر القرآن بأقوال التابعین

تفسیر بالماثور کے اسالیب میں سے چوتھا اسلوب یہ ہے کہ تابعین حضرات کے اقوال سے قرآنی آیات کی تفسیر وتوضیح کی جائے۔اس اسلوب کے متعلق امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> ''قرآن کی تفسیر قرآن، سنت رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ ملنے کی صورت میں اکثر آئمہ نے اقوال تابعین کی طرف رجوع کیا۔ مثلاً مجاہد بن جبیرؒ کی طرف، جو علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے، چنانچہ محمد بن اسحاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ مجاہد کہا کرتے تھے کہ میں نے مصحف قرآن کا ابتداء سے آخیر تک تین بار ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح ورد کیا ہے کہ ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور اس کی بابت تشریح وتفسیر پوچھتا۔ اسی لیے سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے کہ جب تمہیں مجاہد سے تفسیر مل جائے تو وہ تمہارے لیے کافی ہے۔ اسی طرح دوسرے تابعین ہیں، مثلاً: سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ بن عباسؓ،

عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق بن الاجدع، سعید بن المسیب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک بن مزاحم رحمہم اللہ وغیرہم۔" (۶۸)

یہ وہ نامور تابعین حضرات ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن میں شہرت پائی۔ ان کے اکثر و بیشتر تفسیری اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور وماخوذ ہیں۔ بعض اہل کتاب سے لیے گے ہیں دیگر اقوال ان کے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ (۶۹)

اس اسلوب کا حکم

تفسیر تابعین کی قبولیت میں علماء مختلف الخیال ہیں: (۷۰)

① بعض علماء کرام تابعین کے تفسیری اقوال کا اعتبار نہیں کرتے اور دلیلاً کہتے ہیں کہ:

(ا) انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کیا۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی مانند ان کے اقوال کو آپ ﷺ سے سماع پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

(ب) انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح نزولِ قرآن کے احوال وظروف کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا۔ اس لیے ممکن ہے کہ مطلب کے سمجھنے میں ان سے غلطی صادر ہوئی ہو اور جو بات دلیل نہیں ہو سکتی اسے دلیل سمجھ بیٹھے ہوں۔

(ج) صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت کی طرح ان کی عدالت نص سے ثابت نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں: "جو بات رسول اکرم ﷺ سے منقول ہو وہ سرو آنکھوں پر اور جو بات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو اس میں سے ہم اپنی پسند کا قول اختیار کرتے ہیں اور جو بات تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی"۔

② اکثر مفسرین، تابعین حضرات کے تفسیری اقوال قبول کرتے ہیں اور انہیں تفسیر بالماثور میں شمار کرتے ہیں کیونکہ:

(ا) وہ علم وفضل کا زندہ پیکر اور بڑے دقیقہ رس تھے۔

(ب) ان کا زمانہ عہدِ نبوت ﷺ سے قریب تھا اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں عہد رسالت ﷺ سے منسلک کر دیا تھا۔

(ج) ان کے اکثر و بیشتر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔

③ اور بعض علماء تابعین کے تفسیری اقوال کو تفسیر بالماثور کے بجائے تفسیر بالرائے میں شمار کرتے ہیں یعنی ان کی تفسیر کا حکم باقی مفسرین کی تفسیر کے حکم کی طرح ہے، جو ماثوری تفسیر کا التزام کیے بغیر عربی زبان کے قواعد کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> ''شعبہ بن حجاج اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ تابعین کے اقوال جب فروعات میں حجت نہیں ہیں تو پھر تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں؟ ان کا مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال سے مخالفت پر حجت قائم نہیں ہوسکتی۔ یہ بات درست ہے مگر جس بات پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے اس کے حجت ہونے میں شک نہیں ہوسکتا۔ جب تابعین حضرات کسی بات میں مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجت ہوسکتا ہے اور نہ بعد میں آنے والے لوگوں پر۔ ایسی صورت میں قرآن کی زبان یا عربوں کی زبان کے عموم یا اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب رجوع کیا جائے گا۔'' (۷۱) اس آخری رائے کو ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ اور مناع القطان نے بھی ترجیح دی ہے۔

پانچواں اسلوب: تفسیر القرآن بأقوال تبع التابعین

یعنی تبع تابعین کے اقوال سے قرآنی آیات کی تفسیر کرنا۔ یہ تفسیر بالماثور کا پانچواں اسلوب ہے۔ بعض علماء کرام نے تبع تابعین کے اقوال کو تفسیر بالماثور میں شامل کیا ہے جیسے ڈاکٹر صبحی صالح لبنانیؒ، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''تفسیر کا ایک اسلوب وہ ہے جسے تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ اور تفسیر بالماثور وہ ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور ان کے اتباع (تبع تابعین) کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔'' (۷۲)

تبع تابعین وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے تابعین حضرات سے تفسیر میں فیض حاصل کیا اور ان کے علمی ورثہ کے وارث ٹھہرے۔ انہوں نے ایسا کیا کہ تفسیر میں باقاعدہ کتب تالیف کیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے اقوال کو جمع کیا جیسے سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون، عبد بن حمید، روح بن عبادہ، اور ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ وغیرہ نے کیا۔ (۷۳)

یہ حضرات طبقات المفسرین کے تیسرے طبقہ کے درجہ اول کے مفسرین ہیں۔ پھر ان کے بعد اسی تیسرے طبقہ میں سے درجہ دوم کے مفسرین ہیں جنہوں نے تفسیر میں کتب تالیف کیں۔ جیسے ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، ابوبکر بن منذر نیشاپوری (م ۳۱۸ھ)، ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)، ابوالشیخ بن حبان (م ۳۶۹ھ)، امام حاکم (م ۴۰۵ھ)، ابوبکر بن مردویہ (م ۴۱۰ھ) اور دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالی۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ ان علماء کے نام بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''(ان علماء کی) تمام تفاسیر سنداً رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام وتابعین اور تبع تابعین سے مروی ہیں۔ ان تفسیروں میں ماثوری تفسیر سے زیادہ کوئی اور چیز تفسیر میں سے نہیں ہے سوائے ابن جریر طبریؒ کے کہ انہوں نے تفسیری اقوال کو بیان کر کے ان کی توجیہ کی ہے اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی ہے......'' (۷۴)

اس سے ثابت ہوا کہ ان علماء نے اپنی تفاسیر میں تبع تابعین کے اقوال کو ماثوری تفسیر کے طور پر ہی بیان کیا ہے۔ مگر جہاں تک ان کے تفسیری اقوال کے قبول وعدم قبول کا تعلق ہے تو اس بارے میں مجھے مصادر میں کوئی مواد نہیں مل سکا جس کی بنیاد پر میں آثاری تفسیر کے اس اسلوب کے حکم کے بارے میں کچھ بیان کر سکوں۔ ہاں اگر تابعین کے تفسیری اقوال کے بارے میں بیان شدہ حکم پر تبع تابعین کے تفسیری اقوال کو قیاس کر لیا جائے تو ان کی تفسیر کے قبول وعدم قبول کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چھٹا اسلوب۔ تفسیر القرآن بالروایات الاسرائیلیۃ

یعنی قرآنی آیات کی تفسیر اسرائیلی روایت کے ذریعہ سے بیان کرنا۔ انہیں تفسیر بالماثور کے مستقل اسلوب

کے طور پر بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، محدثین کے تفسیری رجحان (اسلوب) میں مرفوع (حدیث نبوی) موقوف (قول صحابی) اور مقطوع (قول تابعی) روایت کے ساتھ اسرائیلی روایت کو بھی شامل کیا ہے۔

مصادر میں اسرائیلی روایات کے لیے ''اسرائیلیات'' کا لفظ مستعمل ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ:

''اس لفظ کا اطلاق یہودیت و نصرانیت کی اس دینی ثقافت پر ہوتا ہے۔ جس نے قرآن مجید کی تفسیر کو متاثر کیا۔ اس ثقافت میں نصرانیت کے مقابلہ میں یہودیت کو غلبہ حاصل ہے کیونکہ آغاز اسلام میں یہود بکثرت تھے اور مسلمانوں سے ان کا میل جول بھی کافی تھا۔''(۷۵)

مولانا تقی عثمانی ''معارف القرآن'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں پہلے زمانے کے مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایت لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہنچتی تھی، ان میں سے بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں۔''(۷۶)

کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کے عمل دخل کی وجہ

کتب تفسیر میں ان روایتوں کے دخول و تسرب کی وجہ یہ ہے کہ:

''بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے سابقہ مذاہب کی کتابوں میں بھی پڑھے تھے، چنانچہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے، جو انہوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں۔ یہی تفصیلات اسرئیلیات'' کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئی ہیں۔''(۷۷)

اسرائیلیات کے اس عمل دخل کی مزید توضیح علامہ ابن خلدونؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''......منقول (ماثور) تفسیر کے بارے میں متقدمین (پہلے علماء) نے تمام باتوں کو جمع کر کے محفوظ کر دیا مگر ان کی کتب اور منقولات رطب و یابس (صحیح و غلط) اور مقبول و مردود (صحیح و ضعیف) سب ہی قسم کی باتوں پر مشتمل ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عرب نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ ہی اہل علم۔ ان پر تو بداوت (دیہاتی پن، سادگی) اور امیت (ناخواندگی) چھائی ہوئی تھی اور جب کبھی انہیں ایسی چیزوں کے جاننے کا شوق پیدا ہوتا جنہیں فطرۃً انسانی نفوس جاننا چاہتے ہیں مثلاً: کائنات کے وجود میں آنے کے اسباب، تخلیق عالم کی ابتداء اور اسرارِ وجود وغیرہ، تو وہ ان باتوں کے بارے میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے دریافت کرتے اور ان سے استفادہ کرتے۔ یہ اہل کتاب، اہل تورات یہودی اور ان یہودیوں کے دین کے پیروکار نصرانی تھے۔ عربوں کے ساتھ رہنے والے اہل تورات بھی عربوں کی طرح بدو (دیہاتی) تھے، اور ان امور (جن کی بابت ان سے اہل عرب پوچھا کرتے) سے متعلق ان کی معلومات ویسی ہی (سطحی اور بے اصل) تھیں، جیسی اہل تورات کے عوام کی تھیں اور ایسے لوگوں میں بڑا طبقہ قبیلہ حِمْیَر کا تھا، جو یہودی مذہب اختیار کر چکا تھا، پھر جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان چیزوں سے متعلق اپنے سابقہ علم (معلومات) پر قائم رہے جن چیزوں کا شرعی احکام سے کوئی تعلق نہ تھا کہ جن کے لیے وہ احتیاط برتا کرتے تھے مثلاً: ابتداء تخلیق کی اخبار، تاریخی واقعات و حادثات اور اس نوعیت کے دیگر امور یہ مسلمان ہونے والے (اہل کتاب) کعب الاحبار (م ۳۲ھ)، وھب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) عبداللہ بن سلام (م ۴۳ھ)، ابن جریج (م ۱۵۰ھ یا ۱۵۶ھ) (۷۸) اور تمیم الداری (۷۹) وغیرہ تھے۔ چنانچہ ایسے امور سے متعلق کتب تفسیر میں ان لوگوں کی روایت کی کثرت ہے جو صرف ان ہی لوگوں کے اقوال ہیں (یعنی ان کی کوئی سند نہیں) چونکہ یہ خبریں احکام سے تعلق نہیں رکھتی تھیں، جو اپنے واجب العمل ہونے کی بنیاد پر صحت کی تحقیق کے اہتمام و التزام کا مطالبہ کرتیں، اس لیے

مفسرین نے (ان کی صحت کو پرکھنے میں) تساہل سے کام لیا اور ایسی منقولات (روایات) سے اپنی کتب تفسیر کو بھر دیا جن کا سرچشمہ (ماخذ)، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، وہ اہل تورات تھے جو دیہات میں رہتے تھے اور خود یہ لوگ اپنی جن باتوں کو روایت کرتے تھے ان کی تحقیق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے، لیکن چونکہ (اپنے) دین اور ملت (مذہبی گروہ) میں وہ بلند مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ اس لیے انہیں شہرت اور بڑی قدر و منزلت حاصل تھی، جس کی وجہ سے ان کی روایات کو اس وقت سے ہی قبول کیا جانے لگا......"(۸۰)

علامہ ابن خلدون کے اس بیان سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① "یہود و نصاریٰ سے منقول (مروی) اخبار (روایات) کو عربوں نے یہود سے قبل از اسلام جاہلیت میں سنا نہ کہ بعد از اسلام۔

② یہ اخبار عربوں کے اذہان میں محفوظ ہی تھیں کہ اسلام آ گیا اور وہ اس میں داخل ہو گے۔

③ تورات و انجیل سے مأخوذ شدہ اخبار کے راوی وہب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں۔"(۸۱)

④ اسرائیلیات کی بکثرت اشاعت دو وجوہات کی بنیاد پر ہوئی:

(ا) عربوں میں ناخواندگی و بدویت کا غلبہ اور اس کے ساتھ ان کا وہ فطری شوقِ معرفت جو ہر انسان کی فطرت میں پایا جاتا ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں کیونکر بنیں؟ پیدائش کی ابتداء کیسے ہوئی اور وجود کے اسرار کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ یہ تمام امور اہل کتاب سے دریافت کرتے تھے۔

(ب) دوسرا سبب یہ ہے کہ ان امور کا چونکہ دینی احکام سے کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے مفسرین حضرات نے ایسے امور سے متعلقہ مرویات کو بغیر تحقیق و تنقید کے قبول کیا اور اپنی کتب میں تفسیراً بیان کر دیا۔

اسرائیلی روایات کا حکم

علماء نے اسرائیلی روایات کو تین اقسام میں بانٹ رکھا ہے(۸۲) ذیل میں ہر ایک قسم اور اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے:

① پہلی قسم کی روایات وہ ہیں جن کی صداقت پر اسلام میں دلائل وشواہد موجود ہیں مثلاً: فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ، یا جو روایات صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں مثلاً: ایک روایت میں ہے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے جس ساتھی کا ذکر ہے وہ حضرت خضرؑ تھے۔ اس نام کی صراحت حضور اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی ہے(۸۳) اس قسم سے متعلقہ روایات صحیح و مقبول ہیں۔

② دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو اس لیے جھوٹی ہیں کہ وہ ہماری شریعت کے معروف مسائل اور عقل سے ٹکراتی ہیں یعنی درایتی معیار پر پورا نہیں اترتیں۔ مثلاً: اسرائیلی روایات میں ہے کہ:

(ا) حضرت سلیمانؑ آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے۔ اس کی تردید قرآن مجید سے ثابت ہے۔
ارشاد ربانی ہے:﴿وَ مَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾(۸۴)
''اور سلیمانؑ کافر نہیں ہوئے بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔''

(ب) حضرت داؤدؑ نے (معاذ اللہ) اپنے سپہ سالار ''اوریا'' کی بیوی سے بدکاری کا ارتکاب کیا، یا اسے مختلف تدبیروں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بھی کھلا جھوٹ ہے۔

ایسی روایات کا حکم یہ ہے کہ نہ ہی انہیں قبول کیا جائے اور نہ ہی آگے روایت کیا جائے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''جو بات عقل سلیم کے منافی ہو اور بظاہر جھوٹ معلوم ہوتی ہو اس کا اہل کتاب سے روایت کرنا ہرگز درست نہیں۔''(۸۵)

③ جبکہ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جو پہلی دونوں قسموں سے الگ ہیں اور ان میں سے زیادہ تعداد ان روایات کی ہے جن کے مضامین سے کوئی دینی یا دنیوی منفعت حاصل نہیں ہوتی، جیسے اصحابِ کہف کے اسماء اور ان کے کتے کی معرفت، حضرت ابراہیمؑ کے لیے زندہ ہونے والے پرندوں کے ناموں کی معرفت وغیرہ۔ قرآن مجید میں ایسی باتوں کو مبہم رکھا گیا ہے۔ اس آخری قسم کی روایتوں کا حکم یہ ہے کہ نہ ہی ان کی تصدیق کی جائے اور نہ ہی تکذیب بلکہ توقف اور سکوت سے کام لیا جائے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ (٨٦)

''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب۔''

البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟

حافظ ابن کثیر نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ:

''انہیں نقل کرنا جائز تو ہے، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہیں۔'' (٨٧)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ التبیان فی علوم القرآن ازمحمد علی الصابونی،ص ۷۵،دارعمر بن الخطاب،س ن،

۲۔ مقالہ تفسیر ازامین الخولی دراردودائرہ معارف اسلامیہ،ج ۱۴،اص ۴۹۲،جامعہ پنجاب لاہور۔

۳۔ الفوز الکبیر فی أصولِ التفسیر ازشاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ(عربی،اردو)،مترجم:مولاناسیّدمحمدمہدی الحسنی و مولاناحبیب الرحمٰن صدیقی کاندہلوی،الباب الرابع،شیخ بشیر اینڈ سنز،لاہور،س-ن۔

۴۔ دیکھئے:التفسیر والمفسرون ازمحمدحسین ذہبیؒ،ج ا،ص ۱۵۴،مکتبۃ وہبۃ،ط دوم،۱۴۰۵ھ-۱۹۸۵ء۔

۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ از ڈاکٹر حمید اللہ اسلامی پبلیکیشنز،سوسائٹی،حیدرآباد دکن،۱۹۵۶ء، دراسات فی الحدیث النبوی وتایخ تدوینہ ازڈاکٹرمصطفیٰ اعظمی،الباب الرابع،ص ۸۴ومابعدھا،المکتب الاسلامی،بیروت،۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء،کتابت حدیث عہدرسالت ﷺ وعہدصحابہ رضی اللہ عنہم ازمفتی محمدرفیع عثمانی،ادارۃ المعارف،کراچی،۱۹۹۳ء،کتابت حدیث عہدنبوی ﷺ میں ازحضرت مولاناسیّدابوبکرغزنویؒ مکتبہ غزنوی،شیش محل روڈ،لاہور س-ن۔

۶۔ التفسیر والمفسرون،محولہ بالا،ج ا،ص ۵۳۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ مقدمة فی اصول التفسیر،ازامام ابن تیمیہؒ(م ۷۲۸ھ)ص ۴۲،نشر السنۃ لاہور،س-ن۔

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:الدخیل فی تفسیر القرآن،ازڈاکٹرعبدالوھاب فاید ص ۱۸،۱۹،مصر،س-ن۔

۱۱۔ سورۃ المؤمن(۴۰):۲۸۔

۱۲۔ سورۃ المؤمن(۴):۷۷۔

۱۳۔ سورۃ النساء(۴):۲۷۔

۱۴۔ سورۃ النساء(۴):۴۴۔

۱۵۔ سورۃ المائدہ(۵):۶۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ دیکھئے: مسلم الثبوت و شرحہ، ج۱،ص ۱۶۱ ۱۳ازمحبّ اللہ عبدالشکور وعبدالعلی انصاری،طبعۃ أمیریۃ،۱۳۲۴ھ،مزید مثالوں کے لیے الدخیل فی تفسیر القرآن الکریم ازڈاکٹرعبدالوہاب فاید،محولہ بالا،ص۲۳،۲۴۔

۱۸۔ البقرۃ(۲):۲۵۴۔

۱۹۔ سورۃ الزخرف(۴۳):۶۷

۲۰۔ سورۃ النجم(۵۳):۲۶،مزید مثالوں کے لیے دیکھئے: الدخیل فی التفسیر،محولہ بالا،ص۲۱تا۲۳۔

۲۱۔ سورۃ آل عمران(۳):۵۹۔

۲۲۔ سورۃ الأعراف(۷):۱۲۔

۲۳۔ سورۃ الحجر(۱۵):۲۸۔

۲۴۔ سورۃ الرحمٰن(۵۵):۱۴۔

۲۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے الدخیل فی تفسیر القرآن،محولہ بالا،۳۰،والبرھان فی علوم القرآن،ازعلامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی،تحقیق:محمد أبوالفضل ابراہیم،داراحیاء الکتب العربیۃ،القاہرۃ:۲،ص۵۴،۵۵۔

۲۶۔ التفسیر والمفسرون، محولہ بالا،ج۱ص۴۱بحوالہ نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی، ج۱،ص۱۶۳۔تفسیر القرآن بالقرآن کے اس طریقہ کو تفصیل سے پڑھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے الدخیل فی تفسیر القرآن،محولہ بالا،ص۳۱تا ۳۴' التفسیر والمفسرون،محولہ بالا،ج۱،ص۴۰تا۴۴۔

۲۷۔ ان طریقوں کے تفصیلی تعارف کے لیے دیکھئے:الدخیل فی تفسیر القرآن،محولہ بالا،ص۱۸تا۳۴۔

۲۸۔ التفسیر والمفسرون،محولہ بالا،ج۱ص۳۷۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً جلد۱ص۱۵۶نیز دیکھئے: التبیان فی علوم القرآن،ازمحمد علی الصابونی محولہ بالا،ص۷۷۔

۳۱۔ مقدمۃ اصول التفسیر،محولہ بالا،ص۴۲۔

۳۲۔ سورۃ النحل(۱۶):۴۴۔

۳۳۔ سورۃ النحل(۱۶):۶۴۔

۳۴۔ سنن أبی داود، کتاب السنۃ،بَابُ فِیْ لُزُوْمِ السُّنَّۃِ،نیز تفسیر القرطبی،ج۱،ص۳۷،دارالکتب،۱۹۳۵ء۔

۳۵۔ تاریخ افکاروعلوم اسلامی ج۱،ص۲۲۶،(اردوترجمہ الثقافۃ الاسلامیۃ)،افتخاراحمد بلخی،اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔

۳۶۔ الرسالۃ ازامام شافعی ص۹۲۔

۳۷۔ صحیح مسلم میں ہے:"لتاخذوا مناسككم"۔ (صحيح مسلم بشرح النووی)، ج۹،ص۴۴،مکتبۃ الغزالی دمشق، و مسند احمد ج۳،ص۳۱۸،طبع احمد شاکر، مصر۔

۳۸۔ جامع صحيح البخاری، کتاب الاذان۔

۳۹۔ تفسیر القرطبی، محولہ بالا، ج۱،ص۳۹، و تفسير بالماثور و مناهج المفسرين فيه۔

۴۰۔ سورۃ البقرۃ (۲):۱۸۷۔

۴۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:فتح الباری ،حافظ ابن حجر عسقلانی، ج۴،ص۱۳۲، الخيرية، البرهان فی علوم القرآن، محولہ بالا، ج۱،ص۱۷، صحیح مسلم بشرح النووی، ج۷،ص۲۰۰ (باب الصوم)، قاہرہ ۱۹۲۹ء۔

۴۲۔ سورۃ المائدہ (۵):۳۸۔

۴۳۔ سورۃ الانعام (۶):۸۲۔

۴۴۔ سورۃ لقمان (۳۱):۱۳۔روایت کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، مسلم، نیز مسند احمد۔

۴۵۔ مکمل روایت کے لیے دیکھئے: سنن الترمذی، ج۴،ص۱۷۲ و مسند احمد، ج۵،ص۷۷۔

۴۶۔ روایت کے لیے دیکھئے ترمذی، و ابن حبان۔

۴۷۔ سورۃ الفتح (۴۸):۲۶۔

۴۸۔ ترمذی و ابن حبان۔

۴۹۔ سورۃ البقرۃ (۲):۲۵۔

۵۰۔ جامع ترمذی، ص۳۰۸، مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی، و سنن وابی داود، ج۲،ص۴۰۔

۵۱۔ سورۃ النساء (۴):۱۵۔

۵۲۔ صحيح مسلم بشرح النووی، ج۱۱،ص۱۸۸۔۱۹۰، کتاب الحدود، بَابُ حَدِّ الزَّانِی۔

۵۳۔ سورۃ النساء (۴):۲۹۔

۵۴۔ مسند احمد، ج۵،ص۷۲۔

۵۵۔ سورۃ النساء (۴):۱۹

۵۶۔ صحیح بخاری بشرح فتح الباری ج۹،ص۲۵۳۔

۵۷۔ صحیح بخاری ج۹،ص۱۶۰۔

۵۸۔ سورۃ النساء (۴):۲۳۔

۵۹۔ صحيح مسلم كتاب الزكاة ،بابُ زكوة الفطر۔

۶۰۔ التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، ج۱،ص۱۵۶، نیز دیکھئے: التبیان فی علوم القرآن، محولہ بالا،ص۱۵۷۔

۶۱۔ مقدمة فی اصول التفسیر، محولہ بالا،ص۴۳، وتفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر ج ا ص۳ (مقدمة)، طبعه مصریة، والاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر از محمد بن محمد ابوشھبۃ ص۵۲، قاہرہ۔

۶۲۔ التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، ج۱،ص۹۵۔

۶۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الاتقان فی علوم القرآن، از علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) ج۲،ص۵۶۲، المکتبة الثقافیة، بیروت، س-ن۔

۶۴۔ التفسیر والمفسرون، ج۱،ص۲۶۱-۲۶۲۔

۶۵۔ الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا، ج۲،ص۱۸۷، الطبقات الکبری (ابن سعد) ج۲،ص۱۰۴۔

۶۶۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، ج۱،ص۶۷، ۶۸۔

۶۷۔ ایضاً ج۱ص۶۹۔

۶۸۔ مقدمة اصول التفسیر، محولہ بالا،ص۴۷تا۵۰۔

۶۹۔ التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، ج۱،ص۱۲۸۔

۷۰۔ دیکھئے سابق حوالہ ج۱،ص۱۲۸، ۱۲۹۔

۷۱۔ مقدمة فی اصول التفسیر، محولہ بالا،ص۵۰۔

۷۲۔ مباحث فی علوم القرآن، از ڈاکٹر صبحی صالح ص۲۹۰، ۲۹۱، دارالکتب، بیروت، س-ن۔

۷۳۔ البرهان فی علوم القرآن، محولہ بالا، ج۲،ص۱۵۹۔

۷۴۔ التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، ج۱،ص۱۴۱، ۱۴۲۔

۷۵۔ ایضاً: ۱، ۱۶۵۔

۷۶۔ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، ج۱،ص۵۲ (مقدمہ از علامہ تقی عثمانی)، کراچی۔

۷۷۔ سابق حوالہ۔

۷۸۔ ان چاروں حضرات کے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھئے: التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، ج۱،ص۱۸۲تا۱۹۷۔

۷۹۔ تفسیر سفیان بن عینیهؒ، جمع و تحقیق: أحمد صالح محایری، ص۸۳، المکتب الاسلامی، ۱۹۸۳ء۔

۸۰۔ مقدمة ابن خلدون ص۴۹۰، ۴۹۱۔

۸۱۔ تفسیر سفیان بن عینیه ص۸۴۔

۸۲۔ ان تینوں انواع کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر سفیان بن عینیه ،محولہ بالا،ص ۸۱تا۸۳، مقدمة تفسیر ابن کثیر، ج۱،ص۳، التفسیر والمفسرون، ج۱،ص ۱۷۸، ۱۷۹۔

۸۳۔ فتح الباری، باب التفسیر، ج۸،ص ۲۹۷، الخیریۃ، ۱۳۱۹ھ۔

۸۴۔ البقرۃ (۲) ۱۰۲۔

۸۵۔ تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۲۱۔

۸۶۔ جامع صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب السنه، بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ لَا تَسْاَ لُوْا اَھْلَ الْکِتَابِ عَنْ شَیْءٍ۔

۸۷۔ تفسیر ابن کثیر، ج ا مقدمہ۔